ہمارا ماٹو لَااِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ہے☆

(فرمودہ ۲۸ /اگست ۱۹۳۶ء بمقام دھرم سالہ)

تشہّد ،تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:-

چونکہ دو دن سے مجھے گلے کے درد کی شکایت ہے اس لئے میں آج کے خطبہ میں ایک چھوٹا سا مضمون بیان کرنا چاہتا ہوں۔

پچھلے جمعہ مَیں نے الفضل میں ایک دلچسپ بحث دیکھی اور وہ یہ کہ جماعت احمدیہ کا ماٹو کیا ہونا چاہئے؟ اِس مضمون پر دو دوستوں نے اپنے اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے جو اخبار الفضل میں شائع ہو چکے ہیں اور یہ دونوں اصحاب میرے ماموں ہیں۔ اسی ماٹو کے بارہ میں ایک تیسرا مضمون بھی میری نظر سے گزرا ہے جس کے بارہ میں مجھے ابھی تک یہ علم نہیں ہے کہ وہ اخبار میں بھی شائع ہؤا ہے یا نہیں؟ ماٹو کے بارہ میں جو دو مضمون اخبار میں شائع ہو چکے ہیں ان میں ایک مضمون میں تو یہ بیان کیا گیا ہے کہ ہمارا ماٹو

"فَاسْتَبِقُوا الْخَیْرٰتِ"[1]

ہونا چاہئے اور دوسرے مضمون میں یہ بتلایا گیا ہے کہ ہمارا مطمحِ نظر جس کو دوسرے الفاظ میں ماٹو

☆ یہ خطبہ دھرم سالہ کا ہے۔ایک دوست نے جن کو لکھنے کی مشق نہ تھی لکھا ہے اِس وجہ سے کئی جگہ مضمون حذف ہوگیا ہے۔میں نے کسی قدر اِصلاح کردی ہے اوراس خیال سے کہ تھوڑا، بالکل نہ ہونے سے اچھا ہوتا ہے اسے شائع کرنے کیلئے بھجوا رہا ہوں۔ بہرحال یہ دوست شکریہ کے مستحق ہیں۔

خاکسار ۔ مرزا محمود احمد

کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے

''میں دین کو دنیا پر مقدم رکھوں گا''

ہونا چاہئے۔

بہرحال یہ ایک قدرتی امر ہے کہ ہر قوم کیلئے کوئی نہ کوئی مطمحِ نظر ضرور ہوتا ہے اور قدرتی طور پر سب قومیں اپنے اپنے ماٹو کو اپنے سامنے رکھتی ہیں اور اس سے فائدہ اُٹھاتی ہیں۔ مطمحِ نظر کا اصول یہ ہے کہ جس غرض کیلئے کوئی قوم یا انجمن بنی ہے وہ قوم یا انجمن اس غرض اور مقصد کو ہر وقت اپنے سامنے رکھے۔ جس وقت فرانس کے بادشاہوں کے خلاف بغاوت ہوئی تو باغیوں کا مطمحِ نظر یہ تھا کہ ہم نے حریت، مساوات اور اخوت کو حاصل کر کے رہنا ہے اور اس مضمون کے بورڈ لکھ لکھ کر انہوں نے مختلف مقامات پر لگا دیئے تھے اور اپنی تقریروں میں بھی وہ ان باتوں پر زور دیتے تھے اور بازاروں میں پھر پھر کر لوگوں کو اپنے اس مطمحِ نظر کی طرف توجہ دلاتے تھے۔ انگلستان کی تاریخ سے بھی یہ بات صاف طور پر معلوم ہوتی ہے کہ جب بھی وہاں اختلاف پیدا ہوا تو جو قوم بھی اُٹھی ہے اس نے اپنے لئے ضرور کوئی نہ کوئی ماٹو تجویز کیا ہے جس کو وہ اپنے سامنے رکھتی تھی۔

پس تمام سوسائٹیاں اور انجمنیں یہ بتانے کیلئے کہ ہم کو دوسری قوموں سے کیا امتیاز ہے اپنے لئے ایک خاص مطمحِ نظر تجویز کر لیتی ہیں۔ کوئی انجمن یہ قرار دے لیتی ہے کہ اخلاق کی درستی اُن کے نزدیک سب سے بالا ہے، کوئی قوم یہ کہتی ہے کہ سب سے مقدم تعلیم کی ترقی ہے، کوئی سوسائٹی اپنا نصب العین یہ ٹھہرا لیتی ہے کہ ہم نے آزادی کو حاصل کرنا ہے اور اس کے بغیر ہماری زندگی زندگی کہلانے کی مستحق ہی نہیں۔ غرضیکہ کوئی انجمن سیاسی ہوتی ہے تو کوئی تعلیمی اور ہر ایک نے اپنے لئے کوئی نہ کوئی ماٹو تجویز کر رکھا ہوتا ہے اور وہ اِس بات کا خاص طور پر خیال رکھتے ہیں کہ جس بات کیلئے ہماری جماعت قائم ہوئی ہے اس کو دنیا میں قائم کرنا ہے اور اس بات کو اپنی جماعت کے سامنے بھی ہر وقت موجود رکھنا ہے۔

دنیا میں ہزاروں قسم کی نیکیاں ہیں اگر ہم ان میں سے ایک نیکی کو چُن لیں تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ دوسری نیکیاں اس قابل نہیں کہ ان کے حصول کی کوشش کی جائے اور صرف یہ ایک نیکی جس کو ہم اختیار کرنے پر زور دے رہے ہیں اِس قابل ہے کہ اس کو اختیار کیا جائے بلکہ مطلب

صرف یہ ہوتا ہے کہ فلاں فلاں نیکی کا حاصل کرنا ہمارے لئے ذرا دقّت طلب سی بات ہے لیکن اس نیکی کے حصول میں ہم کو چند در چند سہولتیں ہیں اس لئے ہم اس کی طرف اپنی توجہ کو زیادہ مبذول کرتے ہیں۔

اسی اصول کے ماتحت جس قوم کو تعلیم سے دلچسپی ہوتی ہے وہ تعلیم کو اور جس قوم کو نظام سے دلچسپی ہوتی ہے وہ نظام کو اپنا ماٹو قرار دے لیتی ہے اور جس قوم کو مثلاً صحت سے دلچسپی ہے وہ ورزش کو اپنا ماٹو قرار دے لے گی۔ غرضیکہ جس جس کام سے کسی قوم کو دلچسپی ہوتی ہے وہ اسی کو اپنا ماٹو قرار دے کر اس کو اختیار کرنے کی حتّی الوسع کوشش کرتی ہے اور اس کوشش کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ باقی کاموں سے اس قوم کو نفرت ہے بلکہ صرف یہ مطلب ہوتا ہے کہ اس کام کی طرف اس قوم کا زیادہ میلان ہے۔ اس لحاظ سے کوئی بھی اچھا ماٹو کوئی قوم رکھے وہ اُس کیلئے نیکی ہوگا۔ اور بعض ماٹو ایسے بھی ہیں جو آپس میں اشتراک رکھتے ہیں مثلاً یہ ماٹو کہ خدا کی اطاعت کرو اور یہ ماٹو کہ نیکیوں میں ترقی کرو درحقیقت ایک ہی ہیں کیونکہ یہ دونوں باتیں لازم وملزوم ہیں کیونکہ خدا کی اطاعت کے بغیر نیکیوں کا حصول محال ہے اور اسی طرح جو شخص نیک ہی نہیں وہ خدا تعالیٰ کا مطیع کس طرح ہوسکتا ہے۔ اسی طرح یہ ماٹو کہ ''میں دین کو دنیا پر مقدم رکھوں گا'' اور یہ ماٹو کہ ''میں نیکیوں میں سبقت لے جانے کی کوشش کروں گا'' دونوں گو ایک نہ ہوں مگر آپس میں بہت مشابہ ہیں اور دونوں ایک حد تک ایک دوسرے کے اندر آجاتے ہیں۔ پس یہ ساری نیکیاں ہی اچھی ہیں اور ہم کو ان کے حصول کی طرف توجہ رکھنی چاہئے۔

لیکن جب میں نے ماٹو کے بارہ میں یہ مضامین الفضل میں پڑھے تو مجھے ایک یہودی کا قصہ یاد آ گیا کہ ایک دفعہ ایک یہودی حضرت عمرؓ سے باتیں کر رہا تھا کہ دورانِ گفتگو میں کہنے لگا ہم تو آپ لوگوں سے سخت حسد رکھتے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے ان سے پوچھا کہ آپ کو ہم پر کس بات کا حسد آتا ہے؟ وہ یہودی کہنے لگا کہ مجھے اس بات کا حسد ہے کہ آپ کے اسلام میں یہ ایک خاص خوبی ہے کہ دنیا کی کوئی بات ایسی نہیں جس کے بارہ میں آپ کے اسلام کے اندر احکام موجود نہ ہوں حتّٰی کہ آپ کے اسلام نے تو پاخانہ اور پیشاب کرنے اور کھانا کھانے اور پانی پینے تک کیلئے بھی احکام بتلا دیئے ہیں کہ فلاں فلاں کام کرو تو اس طور پر کرو، اسی طرح شادی بیاہ کے بارہ میں

بتلا دیا کہ اس طرح پر کرو غرضیکہ کوئی بات ایسی نہیں ہے جس کے بارہ میں اسلام کے اندر احکام اور مسائل موجود نہ ہوں۔ ہم کو آپ کے مذہب پر اس بات کا حسد ہے کہ یہ کس قدر وسیع مذہب ہے لیکن ہمارے مذہب میں یہ بات ہرگز موجود نہیں۔

اِس واقعہ کو مدنظر رکھو تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کی کسی ایک بات کو بطور ماٹو چننا درست نہیں ہوسکتا کیونکہ اس کی تو ہر بات ہی ایسی ہے جو ماٹو بنانے کے قابل ہے۔ پس فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ بھی ایک نہایت عمدہ ماٹو ہے اسی طرح یہ ماٹو کہ ''میں دین کو دنیا پر مقدم رکھوں گا'' بھی بہت عمدہ ہے اور اس کی طرف بھی قرآن مجید میں اشارہ موجود ہے اور وہ اِس آیت میں ہے کہ بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّ اَبْقٰى [۲] یعنی نادان لوگ دنیا کو دین پر مقدم کرتے ہیں حالانکہ آخرت یعنی دین کی زندگی کا نتیجہ دُنیوی زندگی سے اعلیٰ اور دیرپا ہے۔ پس اسے دنیا پر مقدم رکھنا چاہئے بلکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اِنَّ هٰذَا لَفِي الصُّحُفِ الْاُوْلٰى صُحُفِ اِبْرٰهِيْمَ وَ مُوْسٰى [۳] یہ تعلیم ہم آج نہیں دے رہے یہ تعلیم سب انبیاء دیتے چلے آئے ہیں چنانچہ موسیٰ اور ابراہیم کی وحیوں میں بھی اس پر زور دیا گیا تھا۔ قرآن مجید کی اور بھی بہت سی آیات ہیں جو اس مضمون کو ادا کرتی ہیں۔ پس یہ اعلیٰ تعلیم ہے لیکن سوال تو یہ ہے کہ قرآن مجید کی وہ کونسی تعلیم ہے جو ماٹو نہ بن سکے۔ میں تو اس کے جس حکم پر نظر ڈالتا ہوں وہی جاذبِ توجہ نظر آتا ہے اور دل کو اپنی طرف کھینچتا ہے جیسے کسی شاعر نے کہا ہے کہ میں اپنے محبوب کے جس حصے پر نگاہ ڈالتا ہوں

کرشمہ دامن دل مے کشد کہ جا اینجاست

یعنی محبوب کے چہرہ کا ہر حصہ کہتا ہے کہ بس خوبصورتی کا مقام اگر کوئی دنیا میں ہے تو یہی ہے بس تُو یہیں ٹھہر جا۔

اِس تمہید کے بعد یہ بتانا چاہتا ہوں کہ قرآن مجید سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی بعثت کا زمانہ ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ [۴] کا مصداق تھا۔ دنیا کی کوئی چیز ایسی نہ رہی تھی جس میں خرابی نہ آگئی ہو اور چونکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام آنحضرت ﷺ کے ظل اور بروز ہیں اس لئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا زمانہ بھی آنحضرت ﷺ کے زمانہ کا ظل ہے اور اس زمانہ میں بھی ہر قسم کی خرابیاں بدرجہ کمال پائی جاتی ہیں اس لئے آج مذہب کی بھی ضرورت ہے، اخلاق کی

تمام اقسام کی بھی ضرورت ہے، دنیا کی ہر خوبی اور ترقی کی بھی ضرورت ہے جہاں لوگوں کے دلوں سے خدا تعالیٰ پر ایمان اُٹھ گیا ہے وہاں اخلاق فاضلہ بھی اُٹھ گئے ہیں اور حقیقی دُنیوی ترقی بھی مٹ گئی ہے کیونکہ اِس وقت جسے لوگ ترقی کہتے ہیں وہ نفسانیت کا ایک مظاہرہ ہے اور دنیا کی ترقی نہیں کہلا سکتی کیونکہ اِس سے ایک حصۂ دنیا فائدہ اُٹھا رہا ہے اور دوسرے کو غلام بنایا جارہا ہے۔ پس ایسے وقت میں ہم کس طرح کہہ سکتے ہیں کہ قرآن مجید کی فلاں آیت پر ہمیں خاص طور پر عمل کرنا چاہئے اور فلاں کی طرف کم توجہ کی ضرورت ہے۔ نہیں بلکہ قرآن مجید کی ہر آیت ہی اِس قابل ہے کہ انسان اس کو اپنا مطمحِ نظر اور نصب العین بنائے خصوصاً اِس زمانہ میں کہ ہر آیت ہی کی طرف سے لوگوں کو بے رغبتی ہے مگر ایسے دن نہ بھی ہوں تب بھی قرآن مجید کی کسی آیت کا چُن لینا انسان کیلئے ناممکن ہے کیونکہ اس کی ہر ایک آیت بے شمار خوبیوں کی جامع ہے اور ہر آیت پر انسان یہ خیال کر کے کہ اس سے بڑھ کر بھلا اور کون سی آیت ہوگی حیرت میں پڑ کر وہیں کھڑا کا کھڑا رہ جاتا ہے۔ پس اس صورت میں کہ قرآن مجید کی ایک ایک آیت تمام خوبیوں کی جامع ہے ہم کس آیت کو اپنا ماٹو قرار دیں اور کس کو اپنا ماٹو قرار نہ دیں جبکہ ان میں سے ہر ایک ہی ہمارا ماٹو ہے تو ترجیح کی کیا وجہ ہے؟ ہم کو تو اب خود کسی ماٹو کے تجویز کرنے کی ضرورت ہی باقی نہ رہی جبکہ خدا تعالیٰ نے ہمارے لئے سارے قرآن مجید کو ماٹو مقرر کر دیا ہے لیکن اگر ایک مختصر ماٹو ہی کی ضرورت ہو تو وہ بھی رسول کریم ﷺ نے ہمارے لئے تجویز کر دیا ہے اور وہ لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ہے۔ یہ جملہ درحقیقت قرآن کریم سے ہی اخذ کیا گیا ہے اور قرآن مجید کے سب مضامین کا حامل ہے۔ گویا یہ تمام قرآن مجید کا خلاصہ ہے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ تمام تعلیمیں اور تمام اعلیٰ مقاصد توحید کے ساتھ ہی تعلق رکھتے ہیں۔ اسی طرح بندوں کے آپس کے تعلقات اور بندہ کے خدا تعالیٰ سے تعلقات توحید کے اندر آجاتے ہیں توحید کے معنی ہیں کہ خدا تعالیٰ ایک ہے اور جس طرح سورج بغیر آنکھ کے نظر نہیں آسکتا اسی طرح اللہ تعالیٰ بھی ایک خاص آنکھ کے بغیر نظر نہیں آسکتا اور وہ آنکھ آنحضرت ﷺ ہیں ان کے ذریعہ سے ہی لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ دنیا کو نظر آسکتا ہے اور اسی حکمت کی وجہ سے لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ کے ساتھ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کا ذکر کیا گیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کے بغیر توحید کا سمجھنا ہی محال ہے۔ گویا آنحضرت ﷺ ہی ایسی دوربین ہیں

جس سے توحید دیکھی جا سکتی ہے۔

پس یہ لَآاِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ ایسی آیت ہے کہ اس میں بقرہ، آل عمران، نساء وغیرہ سب سورتیں شامل ہیں اور اَلْحَمْدُ سے لے کر وَالنَّاسِ تک کا کوئی مضمون اس سے باہر نہیں۔ لیکن توحید ایسی باریک چیز ہے کہ اس کو ہر ایک نظر نہیں دیکھ سکتی۔ ہاں ایک عینک ہے کہ اگر اس کو انسان اپنی آنکھوں پر لگا لے تو وہ توحید نظر آنے لگتی ہے اور وہ عینک آنحضرت ﷺ کا وجودِ مبارک ہے اور اس میں کون شبہ کر سکتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے آنے سے ہی دنیا میں توحید قائم ہوئی ورنہ آپ کی بعثت سے قبل تو بعض لوگوں نے حضرت عزیر، بعض نے حضرت مسیحؑ کو خدا کا بیٹا بنا رکھا تھا، بعض لوگ ملائکہ کو معبود بنائے بیٹھے تھے اور ایسے خطرناک زمانہ میں جس میں گویا سب کی آنکھیں کمزور ہو رہی تھیں صرف آنحضرت ﷺ کی عینک لگانے سے ہی لوگوں کو توحید نظر آئی۔ آنحضرت ﷺ سے قبل اور حضور کے زمانہ میں لاکھوں فلاسفر موجود تھے لیکن کسی کو توحید کے عَلَم کو بلند کرنے کا موقع نہ ملا بلکہ اس کے برعکس فلسفیوں نے جو کچھ پیش کیا وہ شرک سے پُر تھا پس حقیقت یہی ہے کہ

ایں سعادت بزورِ بازو نیست
تا نہ بخشند خدائے بخشندہ

یہ محض خدا تعالیٰ کا خاص فضل تھا کہ محمد رسول اللہ ﷺ کی ذات سے ہی دنیا میں توحید قائم ہوئی اور یہی لَآاِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ ایسا ماٹو ہے جس کو ہم اپنی اذانوں کے ساتھ بلند آواز میں بیان کرتے ہیں اور جب کسی شخص کو اسلام میں لایا جاتا ہے تو اُس سے یہی لَآاِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ کہلوایا جاتا ہے کیونکہ حقیقی اسلام اسی کا نام ہے اور باقی تشریحات اور تفصیلات ہیں جو ساتھ چسپاں کر دی جاتی ہیں۔ اور اگر کسی شخص میں دینی کمزوری پیدا ہوتی نظر آتی ہے تو اس کی بھی یہی وجہ ہوتی ہے کہ لَآاِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ اس کے سامنے سے ہٹ گیا ہوتا ہے ورنہ لَآاِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ کے سامنے موجود ہونے سے انسان دینی کمزوریوں سے محفوظ ہو جاتا ہے اور جب لَآاِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ آنکھوں سے اوجھل ہو جائے تو زید کوئی غلطی کر بیٹھتا ہے، عمر کوئی غلطی کر بیٹھتا ہے اور بکر کوئی غلطی کر بیٹھتا ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ڈاکٹر عبدالحکیم مرتد کے جواب میں فرمایا تھا کہ تم کس طرح کہتے ہو کہ آنحضرت ﷺ کے بغیر بھی توحید حاصل ہو سکتی ہے جبکہ توحید کو انسان رسالت کے

بغیر سمجھ ہی نہیں سکتا اور خصوصاً کامل توحید کیلئے رسالتِ کامل یعنی محمد رسول اللہ ﷺ کی رسالت کا سمجھنا ضروری ہے۔

غرض جب تک انسان آنحضرت ﷺ میں بالکل محو نہ ہو جائے توحیدِ کامل کو نہیں سمجھ سکتا اور نہ اس کے تفصیلی جلوہ یعنی قرآن مجید کو سمجھ سکتا ہے۔ وہ لوگ جو رسول کریم ﷺ میں محو ہو کر توحید کو نہیں سمجھتے باوجود عقل کے شرک میں مبتلاء رہتے ہیں جیسے کہ مسیحی، ہندو، یہودی وغیرہ ہیں اور اسی طرح بہت سے مسلمان کہلانے والے جو پیروں اور فقیروں کو ہی اپنا خدا بنا کر بیٹھے ہوئے ہیں۔

حضرت خلیفہ اوّل کی ایک ہمشیرہ نے ایک فقیر کی بیعت کی ہوئی تھی حضرت خلیفہ اوّل نے ایک دفعہ اس کو کہا کہ اپنے پیر صاحب سے جا کر یہ پوچھو کہ آپ کی بیعت سے مجھے کیا فائدہ ہے؟ وہ اس فقیر سے پوچھنے گئیں۔ جب واپس آئیں تو آپ نے دریافت فرمایا کہ سناؤ کیا جواب ملا؟ کہنے لگیں پیر صاحب خفا ہو کر بولے کہ تجھے یہ سوال ضرور مولوی نورالدین صاحب نے ہی سمجھایا ہوگا جا کر ان سے کہہ دے کہ ہماری بیعت میں آنے والے مریدوں کو یہ فائدہ ہوتا ہے کہ قیامت کے روز جب ہمارے مریدوں سے خدا تعالیٰ حساب لینے لگے گا تو ہم آگے بڑھ کر کہہ دیں گے کہ ان کا حساب ہم سے لینا ان سے نہ پوچھو۔ اس کے بعد مرید تو دَوڑ کر جنت میں جا داخل ہوں گے اس کے بعد جب اللہ تعالیٰ ہم سے پوچھے گا تو ہم کہیں گے کہ کیا ہمارے باپ امام حسینؓ کی قربانی کافی نہ تھی کہ اب ہمیں دِق کیا جاتا ہے۔ پس اس پر خدا تعالیٰ خاموش ہو جائے گا اور ہم جنت میں چلے جائیں گے۔

یہ سب لغو خیالات اِسی لئے پیدا ہوئے کہ لوگوں نے خدا تعالیٰ کو محمد رسول اللہ میں ہو کر نہیں دیکھا۔ اگر وہ خدا تعالیٰ کو محمد رسول اللہ کی عینک میں سے دیکھتے تو اس کی ایسی بُری صورت نظر نہ آتی اور توحید سے دُور نہ جا پڑتے۔ اِس میں کوئی شک نہیں کہ آنحضرت ﷺ کے بغیر توحید انسان پر کھل ہی نہیں سکتی۔ چنانچہ دیکھ لو جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام آنحضرت ﷺ میں محو ہو گئے اور ان میں محو ہونے کے بعد قرآن مجید پر غور کیا تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو قرآن مجید میں سے یہ نظر آ گیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام وفات پا گئے ہیں اور اُن کو زندہ ماننا شرک ہے۔ حضور سے قبل لاکھوں عالم اور فقیہہ موجود تھے لیکن کسی کو قرآن مجید میں یہ بات نظر نہ آئی بلکہ وہ تو حضرت عیسیٰ

علیہ السلام کی طرف خدا تعالیٰ کی اکثر صفات نہایت شدّ و مد سے منسوب کرتے تھے مثلاً وہ اب تک آسمان پر زندہ بیٹھے ہیں، وہ مُردے زندہ کیا کرتے تھے، ان کو غیب کا علم تھا وغیرہ وغیرہ لیکن حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے طفیل ایک احمدی بچہ بھی اِس عقیدہ پر قائم رہنا گوارا نہیں کرسکتا اور وہ نہایت قوی عقلی و نقلی دلائل سے اس کو باطل کرسکتا ہے۔ یہ بات اس احمدی بچہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام میں وہ بات آنحضرت ﷺ میں فنا اور محو ہونے سے آئی ہے۔ پس جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے آنحضرت ﷺ سے نور لیا اور اس نور کو دنیا میں پھیلایا تو شرک کی ظلمت اس نور کے آنے سے کافور ہوگئی اور علاوہ اس ایک بات کے اور بھی ہزاروں شرک کی باتیں حضور نے لوگوں کو دکھائیں کہ وہ ان سے پرہیز کریں لیکن یہی باتیں اس زمانہ کے مشہور علماء اور فقہاء کی نظر سے اب تک اوجھل ہیں۔ اس کی صرف یہی وجہ ہے کہ وہ لوگ آنحضرت ﷺ کے وجود مبارک میں محو نہیں ہوئے اس لئے اس نعمت سے محروم رہے اور حضرت مسیح موعودؑ نے ہی اس زمانہ کے لوگوں کو لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کا جلوہ دکھلایا اور یہی تو ایک چیز ہے جو اسلام کا لُبِّ لباب ہے اور جس کا ہر کامل موحّد میں پایا جانا ضروری ہے۔ اس کے علاوہ باقی تفصیلات ہیں اور وہ مختلف آدمیوں کیلئے مختلف شکلوں میں بدلتی چلی جاتی ہیں۔ جیسے کہ ایک شخص آنحضرت ﷺ کے حضور حاضر ہؤا اور عرض کی یَارَسُوْلَ اللّٰہِ! مجھے سب سے بڑی نیکی بتائیں۔ حضور نے فرمایا ماں کی خدمت کیا کر۔[5] اس کے بعد کسی اور موقع پر ایک اور شخص آیا اور اس نے عرض کی کہ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ! مجھے سب سے بڑی نیکی بتائیں۔ حضور نے فرمایا جہاد فی سبیل اللہ کیا کر۔ ایک اور شخص نے سب سے بڑی نیکی دریافت کی تو حضور نے اُس کو تہجد بتلائی۔

نادان لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ حضور نے متضاد باتیں بتلائی حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ ان باتوں میں تضاد قطعاً نہیں بلکہ وہ تینوں اشخاص تین مختلف امراض میں مبتلاء تھے۔ پس اُن کے علاج بھی مختلف ہی ہونے چاہئیں تھے۔ ایک کو ماں کی خدمت نہ کرنے کی مرض تھی حضور نے اُس کیلئے سب سے بڑی نیکی ماں کی خدمت قرار دی۔ دوسرا شخص جہاد فی سبیل اللہ میں سست تھا اُس کو جہاد فی سبیل اللہ سب سے بڑی نیکی بتلائی گئی اور تیسرا شخص تہجد کی ادائیگی میں کمزور تھا اُس کو آنحضرت ﷺ نے یہ فرمادیا کہ تیرے لئے سب سے بڑی نیکی تہجد ہی ہے کیونکہ تُو اس سے محروم ہے۔

الغرض تفصیلات ہر انسان کیلئے بدلتی رہتی ہیں مگر لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ سب کیلئے یکساں ہے یہ ہرگز نہیں بدلتا۔ کسی کو سورہ بقرہ فائدہ دیتی ہے کسی کو آل عمران کسی کو کوئی اور سورۃ یا آیت۔ مگر لَآاِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ سب کو یکساں طور پر فائدہ پہنچاتا ہے گویا قرآن کریم کی تمام آیات اپنے اپنے مقام پر بہت عمدہ اور مفید ہیں لیکن لَآاِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ سب پر حاوی اور سب سے بڑھ کر ہے اور اس کی مثال یوں سمجھ لو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اَصْحَابِیْ کَالنُّجُوْمِ بِاَیِّھِمُ اقْتَدَیْتُمْ اِھْتَدَیْتُمْ [۲] یعنی میرے صحابہ ستاروں کی طرح ہیں ان میں سے جس کے پیچھے بھی چلو گے وہ تم کو سیدھے راستہ پر ڈال دے گا۔ پس صحابہ کرامؓ تو ستارے تھے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عالَمِ روحانی تھے جس کے اندر یہ سب روحانی ستارے بھی آجاتے ہیں۔ یہ روحانی ستارے اپنی اپنی جگہ پر تو بہت عمدہ تھے لیکن روحانی سورج سے ان کا مقابلہ نہیں کیا جا سکتا۔

الغرض ہمارے سامنے خدا تعالیٰ کا مقرر کردہ ماٹو لَآاِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ تو موجود ہے لیکن لوگ اسلام کے اس ماٹو کو بھول گئے ہیں اور آج کل کے واعظ اپنے وعظوں میں توحید کا نام تک نہیں آنے دیتے بلکہ اِدھر اُدھر کی غیر ضروری باتوں کے بیان کرنے میں اپنا قیمتی وقت ضائع کر دیتے ہیں حالانکہ توحید کی ضرورت انسان کے ہر ایک کام میں رہتی ہے حتّٰی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے سونے کے وقت اور وضو کے وقت بھی توحید کا اقرار فرمایا کرتے تھے کیونکہ توحید صرف اِس امر کا نام نہیں کہ انسان بُت پرستی نہ کرے یا کسی شخص کو خدا تعالیٰ کے مقابلہ میں زندہ نہ مانے یا کسی کو خدا کا شریک نہ ٹھہرائے بلکہ دنیا کے ہر ایک کام میں توحید کا تعلق ہے کیونکہ جب بھی کسی انسان کو دنیا کے کسی کام پر ذرہ بھر بھروسہ اور اتّکال ہو گیا تو وہ انسان شرک کے مقام پر جا ٹھہرا اور اس کے موحّد ہونے کا دعویٰ باطل ہو گیا کیونکہ توحید کی لازمی شرط یہی ہے کہ انسان صرف خدا تعالیٰ کی ذات پر ہی اتّکال رکھے کیونکہ توحید کے معنی ہی یہ ہیں کہ ہر کام میں خواہ وہ دینی ہو یا دنیاوی انسان کی نظر صرف ایک خدا کی طرف اُٹھے۔ جہاں اُس کی نظر مَاسِوَی اللہ کی طرف بلند ہوئی اس میں شرک آ گیا۔ حتّٰی کہ انسان کو ہر قدم پر سوچنا پڑتا ہے کہ کہیں میں شرک تو نہیں کر رہا یہاں تک کہ جب آدمی پانی پیتا ہے اور کھانا کھاتا ہے تو اُس وقت بھی دیکھتا ہے کہ کہیں میں اس کام میں شرک تو نہیں کر رہا۔

پس اپنی جگہ پر فَاسْتَبِقُوا الْخَیْرٰتِ بہت عمدہ ماٹو ہے اور اسی طرح ’’میں دین کو دنیا پر مقدم رکھوں گا‘‘ بھی بہت اچھا ماٹو ہے لیکن کامل موحّد بننے کیلئے ضروری ہے کہ انسان کی نظر سے ہر ایک چیز غائب ہو جائے اور مَاسِوَی اللہ اس کیلئے کالعدم ہو جائیں حتّٰی کہ انسان خود بھی غائب ہو جائے اور اُس کو اگر نظر آئے تو صرف خدا تعالیٰ کی ذات نظر آئے پس اپنی اپنی جگہ پر تمام چیزیں اچھی ہیں۔ اگر کوئی جماعت کہے کہ ہمارا مطمحِ نظر یہی ہے کہ ہم لوگوں کو نیکی کی تحریک کیا کریں گے تو یہ اچھی بات ہے اگر کوئی جماعت کہے کہ ہمارا نصب العین فَاسْتَبِقُوا الْخَیْرٰتِ ہے تو یہ بھی اچھی بات ہے اور اگر کوئی کسی اور اچھی بات کو اپنا ماٹو قرار دے لے تو اُس کو بھی یہ حق حاصل ہے لیکن نبوت کے حقیقی متبع کا ماٹو اِس زمانہ میں صرف لَآاِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ ہوسکتا ہے کیونکہ اِس سے ہر کمال کا مطالبہ کیا جاتا ہے اور سب کمال اِسی کلمہ میں آتے ہیں۔ مثلاً فَاسْتَبِقُوا الْخَیْرٰتِ کو لے لو۔ اس استباق اور خیرات کے معنی ہم کہاں سے معلوم کریں۔ ’’دین کو دنیا پر مقدم کروں گا‘‘ فقرہ میں دین اور دنیا اور مقدم کرنا تینوں مضمون بھی تشریح کے محتاج ہیں۔ کئی لوگ دین کو دنیا اور کئی دنیا کو دین قرار دیتے ہیں۔ کئی مقدم کی تشریح میں اختلاف رکھتے ہیں لیکن لَآاِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ ہمیں صرف کمال کا نقطہ ہی نہیں بتاتا بلکہ تشریح اور توضیح کے حصول کا ذریعہ یہی بتاتا ہے۔ وہ ایک سَو نیکیوں کی جامع لیکن توحید کی طرف ہمیں بلاتا ہے دوسری طرف توحید کے سمجھنے میں جو دقتیں پیش آسکتی ہیں ان کے حل کرنے کا طریق ہمیں بتا دیتا ہے۔

غرض جس نے مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کو سمجھ لیا اُس نے خدا تعالیٰ کو سمجھ لیا اور جس نے خدا تعالیٰ کو سمجھ لیا اُس نے سب ہی کچھ سمجھ لیا کیونکہ شرک ہی تمام بدیوں، غفلتوں اور گناہوں کی جڑ ہے اور توحید پر قائم ہونے کے بعد انسان میں اخلاق، علم، عرفان، تمدن، سیاست، حدّتِ نظر و حذق یعنی فنون میں کمال سب ہی کچھ آجاتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا نور ایک تریاق ہے جو تمام امراض کا واحد علاج ہے۔ جس طرح تریاق کے میسر آنے پر مرض کافور ہو جاتی ہے اسی طرح خدا تعالیٰ کا نور جب انسان میں آجاتا ہے تو اس کے پاس سے تمام امراضِ روحانی بھاگ جاتے ہیں۔

پس ہمارا ماٹو جو خود بخود خدا تعالیٰ نے مقرر فرما دیا ہے وہ لَآاِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ ہی ہے باقی تفصیلات ہیں اور وعظ کے طور پر کام آسکتی ہیں اور وہ سب لَآاِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ میں شامل ہیں۔ گویا

لَااِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ ایک جامع اِجمال ہے اور مانٹو اِجمال کا ہی نام ہے۔ اِس زمانہ میں چونکہ دجال اپنی پوری طاقت کے ساتھ دنیا میں رونما ہے اور اُس کا نصب العین یہ ہے کہ میں دنیا کو دین پر مقدم رکھوں گا اس لئے ہمارا فرض ہے کہ اس کے مقابل پر یہ کہیں کہ تم تو دنیا کو دین پر مقدم کرتے ہو لیکن ہم دین کو دنیا پر مقدم رکھیں گے اور چونکہ ہم نے دجالی فتنہ کا قلع قمع کرنا ہے اِس لئے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے الہام کی بناء پر شرائطِ بیعت میں ایک یہ شرط بھی رکھی ہے کہ ''میں دین کو دنیا پر مقدم رکھوں گا'' جس میں یہ اشارہ پایا جاتا ہے کہ اس معاملہ میں دجال سے ہمارا سخت مقابلہ پڑے گا۔ وہ دنیا کو دین پر مقدم کر کے دکھلائے گا اور ہم اُس کے جواب میں دین کو دنیا پر مقدم کر کے دکھلائیں گے۔ دجال کا مقصد دنیاوی آرام کو حاصل کرنا ہوگا لیکن ہم دین کی راہ میں مصائب کا آنا ایک نعمت تصور کریں گے۔ لیکن اگر ہم کو خدا تعالیٰ دنیاوی آرام بھی دے دے تو یہ کوئی بُری بات نہیں۔

کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں فرمایا تھا کہ مجھے قیصر و کسریٰ کے خزانے دیئے گئے ہیں۔ تو اگر خزانوں کا ملنا بُری بات ہوتی تو حضور کو کیا (نَعُوْذُ بِاللّٰهِ) بُری چیز دی گئی؟ ہرگز نہیں۔ ہاں یہ ضروری ہے کہ ہم دنیا کے تابع نہ ہو جائیں بلکہ دنیا کو اپنے ماتحت اور تابع رکھیں اور اِس کو اپنے اوپر سوار نہ ہونے دیں بلکہ ہم اس پر سوار رہیں۔ ورنہ ہماری مثال اُس میراثی کی سی ہوگی جس نے دعا کی تھی کہ اے سخی سرور! مجھے کوئی جانور سواری کیلئے دے۔ ابھی وہ چلا جا رہا تھا کہ اُس کو ایک گاؤں کا رئیس مل گیا جس کی گھوڑی نے راستے میں ہی بچہ دے دیا تھا۔ اُس رئیس نے جب میراثی کو دیکھا تو کہا کہ میری گھوڑے کے بچہ کو اُٹھا کر شہر لے چل۔ یہ عجیب معاملہ دیکھ کر میراثی بول اُٹھا واہ سخی سرور! تُو بھی اُلٹی ہی سمجھ کا مالک ہے تجھ سے تو میں نے جانور سواری کیلئے مانگا تھا تُو نے اُٹھانے کیلئے دے دیا۔ تو جو انسان دنیا کو اپنے سر پر اُٹھالیتا ہے اُس کی مثال بعینہٖ اس میراثی کی سی ہے کیونکہ دنیا تو خدا تعالیٰ انسان کو اِس لئے دیتا ہے کہ انسان اِس پر چڑھے لیکن وہ احمق دنیا کو اپنے سر پر اُٹھالیتا ہے۔

پس اصل چیز جس سے دنیا کی ترقی ہے وہ لَآاِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ ہی ہے اور اس کی عینک جس سے یہ نظر آ سکے وہ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ جس طرح عینک کے بغیر آدمی کچھ نہیں دیکھ سکتا

اسی طرح آنحضرت ﷺ کے بغیر انسان لَااِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کو نہیں دیکھ سکتا۔

اس زمانہ میں یوں تو اور بھی بہت سی نیکیاں ہیں اور سب کی طرف ہم کو توجہ کرنی چاہئے لیکن توحید کی طرف خاص توجہ کی ضرورت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو الہام ہؤا کہ خُذُوا التَّوحِیْدَ خُذُوا التَّوْحِیْدَ یَا اَبْنَاءَ الْفَارِسِ[7] اے ابنائے فارس! توحید کو مضبوطی سے پکڑ لو۔ توحید کو مضبوطی سے پکڑ لو۔ ابنائے فارس سے مراد حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا خاندان ہی نہیں بلکہ روحانی لحاظ سے ساری جماعت ہی ابنائے فارس کے ماتحت ہے اور یہ حکم تمام جماعت پر مشتمل ہے۔ یہ قاعدہ ہے کہ مصیبت کے وقت انسان کسی ایک چیز کو خاص طور پر پکڑا کرتا ہے۔ فرمایا کہ تم مصائب کے موقع پر توحید کو پکڑ لیا کرو کہ اس کے اندر باقی تمام چیزیں آجاتی ہیں۔ پس ہماری جماعت کا فرض ہے کہ وہ لَااِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کے ماٹو کو ہر وقت اپنے سامنے رکھے کیونکہ اسی میں انسان کی دینی اور دنیاوی فلاح مضمر ہے۔

(الفضل ۲۶ر دسمبر ۱۹۳۶ء)

۱؎ البقرۃ: ۱۴۹ ۲؎ الاعلٰی: ۱۷، ۱۸ ۳؎ الاعلٰی: ۱۹: ۲۰

۴؎ الروم: ۴۲

۵؎ بخاری کتاب الادب باب مَنْ اَحَقُّ النَّاسُ بِحَسْنِ الصُّحْبَۃ

۶؎ مشکوٰۃ کتاب المناقب باب مناقب الصحابۃ

۷؎ تذکرہ۔ صفحہ ۵۲۔ ایڈیشن چہارم